سیر و سوانح

تفسیر شاہی اور اس کا مصنف

———— پروفیسر کبیر احمد جائسی

ایران کی تاریخ میں دسویں صدی ہجری کو دو وجوہ سے خاص اہمیت حاصل ہے۔ اول یہ کہ اِس صدی میں ایران میں ایک ایسی حکومت قائم ہوئی جس نے بزور شمشیر ایران میں شیعی مذہب کو سرکاری مذہب قرار دے کر ملک کی تقریباً پنچانوے فی صد آبادی کو شیعہ بنا دیا۔ اس حکومت کے بانی شاہ اسماعیل صفوی نے ''امام زمان'' کا گماشتہ ہونے اور اُن ہی سے ''شمشیر و تاج و فرمان'' پانے کا دعویٰ کیا تھا۔ اُس کے اِس دعوے کو جن لوگوں نے دل و جان سے قبول کیا اور اُس کی سلطنت کے قیام کا سبب بنے ان کو ذبیح اللہ صفا نے ''شمشیر زنانِ بی فرہنگ سرخ کلاہ'' (سرخ ٹوپی والے، وحشی، تلوار چلانے والے) کے نام سے یاد کیا۔ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا کے دیے ہوئے اِس نام سے اُن لوگوں کی شخصیت اور طرزِ حیات کا مبہم سا سہی، اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ دوسرا سبب اِس صدی کی اہمیت کا یہ ہے کہ اس میں فارسی زبان میں متعدد ایسی تفسیریں لکھی گئیں جن کا چلن کئی صدیوں تک برقرار رہا۔ اِن تفسیروں کے ساتھ ساتھ اِسی صدی میں اولین فارسی 'آیات الاحکام' منظر عام پر آئی جس کا نام مصنف نے تفسیرِ شاہی رکھا ہے☆۔ ذیل میں اسی تفسیر شاہی اور اس کے مصنف کی حیات کا ایک جائزہ لیا جا رہا ہے اور کوشش کی جارہی ہے کہ اُس پس منظر کا بھی ایک ہلکا سا عکس پیش کر دیا جائے جس میں اِس نوع کی تفسیر کی ضرورت محسوس کی گئی۔

تفسیر شاہی کے مختصر سے حرف آغاز میں اِس تفسیر کے مصنف نے اپنا نام ابوالفتح الحسینی تحریر کیا ہے اور اپنے والد، خانوادہ اور وطن کے بارے میں کوئی اطلاع فراہم نہیں کی ہے۔ ابوالفتح الحسینی کے نزدیک کلام پاک کی آیتوں کو چار نوع کی آیتوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک نوع کی آیتیں تو وہ ہیں جن میں پیغمبر ﷺ، ائمہ 'معصومین' اور

تمام 'مومنین' ۲؎ کی مدح وستائش کی گئی ہے۔ دوسری نوع کی آیتیں وہ ہیں جن میں کفار، منافقین اور تمام ''......۳؎'' کے قبائح بیان ہوئے ہیں۔ تیسری نوع کی آیتیں مسائل اور احکام شرعیہ سے متعلق ہیں اور چوتھی نوع کی آیتوں میں 'قصص و امثالِ لطیفہ شریفہ' ہیں۔

ابوالفتح الحسینی نے اپنے مقدمہ میں اِس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اُن سے پہلے بھی لوگوں نے مسائل و احکام شرعیہ سے متعلق آیتوں کو جمع کرکے ان کی مدد سے 'اصول خمسہ' کو مرتب انداز سے پیش کیا ہے، مگر چوں کہ اُن کے پیش روؤں کی تصانیف عربی میں ہیں اور عام افراد اُن سے استفادہ نہیں کرسکتے، اِس لیے وہ شاہ تہماسپ کے حکم سے 'آیاتِ احکام' کی فارسی زبان میں تفسیر لکھ رہے ہیں اور الفاظ و معانی کی تحقیق و تدقیق کرکے اُن آیتوں کو اِس طرح مرتب کررہے ہیں کہ ہر شخص اُس سے فائدہ اٹھاسکے۔ چونکہ ابوالفتح الحسینی نے شاہ تہماسپ کے حکم پر یہ تفسیر لکھی ہے اس لیے انھوں نے اس کا نام 'تفسیر شاہی' رکھا ہے۔

اِن مجملات کے علاوہ اِس مقدمہ میں ابوالفتح الحسینی نے اپنے بارے میں کوئی اور اطلاع فراہم نہیں کی ہے۔ تفسیر شاہی کے مرتب میرزا ولی اللہ الاشراقی نے بعض دوسرے مآخذ سے ابوالفتح الحسینی کے بارے میں جو معلومات اپنے مقدمہ میں درج کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔

امیر ابوالفتح بن مخدوم الخادم الحسینی العربشاہی، ایران کے دو بادشاہوں شاہ اسماعیل صفوی اور شاہ تہماسپ 'موسوی حسینی صفوی اول بہادر خان' متوفی ۹۸۰ھ کے معاصر تھے۔ میرزا ولی اللہ الاشراقی نے ان کی تاریخ ولادت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ گمان غالب یہ ہے کہ ان کو ابوالفتح الحسینی کی تاریخ ولادت کا علم نہیں ہوسکا، البتہ امیر ابوالفتح الحسینی کی تاریخ وفات کا انھوں نے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ۹۷۶ھ (شاہ تہماسپ کے انتقال سے چار سال قبل۴؎) میں شہر اردبیل میں ان کا انتقال ہوا اور وہیں صفوی بادشاہوں کے جدّ اعلیٰ شیخ صفی الدین اردبیلی (م ۷۳۵ھ) کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

جیسا کہ معلوم ہے، شاہ اسماعیل صفوی نے مرشدِ کامل کا لبادہ اوڑھ کر تیرہ سال کی عمر میں حکومت وقت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا اور دو برسوں کی جدّ و جہد کے بعد

پندرہ سال کی عمر میں تختِ شاہی پر قابض ہو گیا تھا۔ یہ واقعہ ۹۰۷ھ کا ہے۔ اس حساب سے شاہ اسماعیل کی تاریخ ولادت ۸۹۲ھ کے لگ بھگ قرار پاتی ہے۔ شاہ اسماعیل سے امیر ابوالفتح الحسینی کی معاصرت کو ذہن میں رکھتے ہوئے محتاط طور پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ ابوالفتح الحسینی کی ولادت نویں صدی ہجری کے آخری دہے یا دسویں صدی ہجری کے اوائل میں ہوئی ہوگی۔

جہاں تک ابوالفتح الحسینی کے خاندانی احوال وکوائف کا تعلق ہے میرزا ولی اللہ الاشراقی نے ان کے بارے میں بہت ہی کم اطلاع فراہم کی ہے جو کچھ نہ ہونے سے بہرحال بہتر ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ابوالفتح الحسینی کے والد کا نام میر مخدوم (’شیعی امامی‘) ہے۔ بعض لوگوں نے ’میرزا مخدوم عامی، سُنّی، ناصبی‘ کو ان کا والد قرار دیا ہے جو یکسر غلط ہے۔ یہ وہی ’میرزا مخدوم سُنّی ضال مضل‘ ہیں جو شاہ اسماعیل ثانی کے ’اضلال‘ کے بعد اسلامبول فرار ہو گئے تھے اور وہیں ۹۹۵ھ میں انتقال کیا۔ ردّ شیعیت کی مشہور و معروف کتاب ”نواقض الروافض“ انہی میرزا مخدوم کی تصنیف ہے۔ میرزا ولی اللہ الاشراقی نے اِس بات کی تردید پر بڑا زور صرف کیا ہے کہ ابوالفتح الحسینی، میرزا مخدوم سُنّی (’ضال مضل‘) کے صاحب زادے تھے۔ انھوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اعلام و رجال کی کتابوں میں میرزا مخدوم ’عامی ضال مضل‘ کو اشتباہ کی بنا پر شاہ تہماسپ اول کا معاصر لکھا گیا ہے، حالاں کہ شاہ تہماسپ ۹۸۰ھ میں فوت ہوا تھا۔ اُس کے بعد شاہ اسماعیل ثانی، جو سُنّی ہو گیا تھا، تقریباً ڈیڑھ برس تک ایران کا حکم راں رہا۔ اس کے فوت ہونے کے بعد میرزا مخدوم ’عامی سُنّی ضال مضل‘ اسلامبول چلے گئے، جہاں وہ ۹۹۵ھ تک زندہ رہے۔ ولی اللہ الاشراقی نے کشف الظنون کے حوالے سے اپنے تحریر کیے ہوئے سنہ (۹۹۵ھ) کی تصدیق کی ہے اور تحریر کیا ہے کہ یہ صاحب امیر ابوالفتح الحسینی کے والد نہیں ہو سکتے۔ یہاں یہ بتلا دینا نامناسب نہ ہوگا کہ یہ نابینا صفوی بادشاہ محمد مرزا کے عہدِ حکومت کا آخری سال تھا۔ محمد مرزا کا عہد حکومت ۹۸۵ھ سے ۹۹۶ھ کے عرصے پر محیط ہے۔ اسی طرح کے بہت سے تذکرہ نگاروں نے امیر ابوالفتح الحسینی کے معاصر بادشاہ کا نام شاہ تہماسپ

ثانی تحریر کیا ہے۔ ولی اللہ الاشراقی نے اس انتساب کی بھی تاریخی شواہد سے تردید کی ہے۔
ایک بات اور، محسن الامین العاملی کی مشہور کتاب 'اعیان الشیعہ' میں ابوالفتح الحسینی کا شجرۂ نسب سید شریف جرجانی سے ملایا گیا ہے۔ اِس عمل سے ان کے دادا کے نام کا بھی علم ہوتا ہے، اس لیے ہم ولی اللہ الاشراقی کے مقدمہ سے وہ جملہ بھی نقل کیے دیتے ہیں: ''الامیر السید ابوالفتح بن المیر زا مخدوم الحسینی الشریفی العربشاہی بن شمس الدین محمد بن المیر زا سید شریف الجرجانی'' (ص ھ) ابوالفتح الحسینی کی والدہ فاطمہ بھی عالموں کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ فاطمہ، سید جلال الدین محمد الحسینی الشیرازی کی صاحب زادی تھیں جو اپنے زمانے کے جید علما میں شمار کیے جاتے تھے۔

افسوس ہے کہ ہم کوئی ایسا مواد حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے جس کی بنا پر ابوالفتح الحسینی کے بچپن، جوانی اور آخری ایام کی مصروفیات پر کوئی روشنی ڈال سکتے، البتہ ابوالمعالی شہاب الدین الحسینی المرعشی النجفی کے عربی مقدمہ میں ابوالفتح الحسینی کے استادوں کے یہ نام ملتے ہیں۔ ''علامہ المولی ابراہیم بن محمد عربشاہ الاسفرائنی المتوفیٰ ۹۴۳ھ، العلامۃ المولی عبدالرحمٰن بن احمد جامی المتوفیٰ ۹۹۸ھ'' اور اُن (یعنی عبدالرحمٰن) کے والد۔ شہاب الدین الحسینی المرعشی کے اس بیان سے ابوالفتح الحسینی کے سال ولادت کا مسئلہ الجھتا سا نظر آتا ہے۔ ہم نے شاہ اسماعیل صفوی کی معاصرت کو ذہن میں رکھتے ہوئے نویں صدی ہجری کے اواخر یا دسویں صدی ہجری کے اوئل میں سے کسی ایک سال کو ان کا قیاسی سال ولادت قرار دیا تھا۔ شہاب الدین الحسینی المرعشی النجفی کے قول کے مطابق ابوالفتح الحسینی نے احمد جامی کے صاحب زادے عبدالرحمٰن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا جن کا سنہ وفات ۸۹۸ھ ہے۔ (یہی سنہ وفات مشہور شاعر نورالدین عبدالرحمٰن جامؔی کا بھی ہے)۔ علاوہ بریں وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ابوالفتح الحسینی عبدالرحمٰن کے والد (احمد جامی ۵) کے بھی شاگرد تھے۔ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ابوالفتح الحسینی نے باپ اور بیٹے دونوں کی شاگردی اختیار کی اور باپ بیٹے کے سنہ وفات میں صرف پانچ برسوں کا فرق تھا اور ابوالفتح الحسینی صرف پانچ برس کی عمر میں احمد جامؔی کی شاگردی میں آئے تب بھی کم از کم

۸۸۸ھ میں ان کو احمد جامؔی کی شاگردی میں آنا چاہیے۔ اس لحاظ سے ۸۸۳ یا ۸۸۴ کو ابوالفتح الحسینی کا سال ولادت ماننا پڑے گا۔ یعنی یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ ان کی ولادت شاہ اسماعیل صفوی سے آٹھ نو سال پہلے ہوئی تھی۔ اس امر میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ ابو الفتح الحسینی کا سال وفات ۹۷۶ھ ہے۔ اگر ان کا سال ولادت ۸۸۳ھ تسلیم کرلیا جاتا ہے تو اِس حساب سے انتقال کے وقت ان کی عمر ترانوے سال ہونی چاہیے، لیکن ان کی اس طویل العمری کا تذکرہ، جہاں تک میں مطالعہ کرسکا ہوں، کسی بھی تذکرہ نگار نے نہیں کیا ہے۔ علاوہ برایں اگر یہ عبدالرحمٰن، مشہور شاعر نور الدین عبدالرحمٰن جامؔی متوفی ۸۹۸ھ ہیں تو ان کے والد نظام الدین دشتی تھے احمد جامی نہیں۔ نظام الدین دشتی ولایتِ جام ہجرت کر گئے تھے۔ شاعر جامی اپنے لڑکپن سے ہی اپنے والد کے ساتھ ہرات پھر سمرقند میں رہے تھے۔ زندگی کے سرد و گرم کا تجربہ کرنے کے بعد شاعر جامؔی ایک بار پھر ۸۷۸ھ میں (ابوالفتح الحسینی کی قیاسی تاریخ ولادت سے پانچ سال قبل) ہرات آجاتے ہیں اور وہیں کے ہوکر رہ جاتے ہیں۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ ابوالفتح الحسینی ہرات کب اور کیسے پہنچے تھے اور کِن ذرائع سے انھوں نے عبدالرحمٰن (بن احمد جامی) کا تلمذ حاصل کیا۔ گمان غالب ہے کہ یہ عبدالرحمٰن مشہور شاعر جامؔی (م ۸۹۸ھ) کے لڑکے نہیں ہیں۔ یہ کون صاحب تھے؟ کس علم میں اختصاص رکھتے تھے؟ فی الحال اس سوال کا جواب دینے سے ہم قاصر ہیں۔

ابوالفتح الحسینی کی اہلی زندگی کے بارے میں ہم کو کچھ زیادہ علم نہیں ہے۔ ابوالمعالی شہاب الدین النجفی نے اپنے عربی مقدمہ میں ان کے چار بیٹوں کے بارے میں جو تھوڑی سی اطلاع بہم پہنچائی ہے اس کو ہم یہاں اپنے الفاظ میں نقل کردیتے ہیں۔ ابوالفتح الحسینی کے ایک بیٹے کا نام سید محمد تھا جو شریفی کے نام سے مشہور تھے۔ اِن شریفی نے اپنے دادا میرزا محمد علی معروف بہ میرزا کی کتاب ''المواقف'' کی شرح ''التعلیقہ'' کے نام سے لکھی تھی۔ دوسرے بیٹے کا نام سید علی شریفی، تیسرے کا سید عبداللہ زاہد اور چوتھے کا سید حسن شاعر تھا۔ ابوالفتح الحسینی کے ان چاروں لڑکوں کا شمار اپنے وقت کے جید عالموں

میں ہوتا تھا۔ ہمارا خیال ہے کہ آخری دو حضرات کے ناموں میں زاہد اور شاعر کا جو لاحقہ لگا ہوا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ سید عبداللہ کا زہد اتنا بڑھا ہوا تھا کہ وہ شریفی کے نام سے مشہور ہونے کے بجائے زاہد کے نام سے مشہور ہوئے اور سید حسن اپنے تمام علم و فضل کے باوجود شعر و شاعری میں اِس طرح غرق ہوئے کہ لفظ شاعر ان کے نام کا لاحقہ بن کر رہ گیا۔ اِن معلومات کے علاوہ ان کی اہلی زندگی کے بارے میں ہم کو کچھ اور معلوم نہیں۔

امیر ابو الفتح الحسینی کا ذریعۂ معاش کیا تھا اور ان کے شب و روز کس طرح گذرتے تھے؟ ان کے اخلاق و عادات کیا تھے؟ پسند اور ناپسند کا معیار کیا تھا؟ اِن سوالوں کا جواب دینے سے ان کے معاصر تذکرے قاصر ہیں۔ ابو الفتح الحسینی نے تفسیر شاہی کے مقدمہ میں تحریر کیا ہے کہ انھوں نے یہ کتاب شاہ تہماسپ (بن شاہ اسماعیل) کے حکم کی تعمیل میں لکھی ہے۔ ان کے اس بیان سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ ان کا آنا جانا دربار شاہی میں تھا اور بادشاہ وقت ان کی جلالت علمی سے واقف تھا، اِسی لیے اُس نے ابو الفتح الحسینی کے سپرد یہ کام کیا۔ ظاہر ہے شاہی حکم کی بجا آوری کے لیے ان کا کوئی وظیفہ بھی مقرر کیا گیا ہوگا، تاکہ وہ یک سوئی کے ساتھ صرف تفسیر کا کام کر سکیں۔ ہوسکتا ہے ابو الفتح الحسینی بھی ان علما میں رہے ہوں جو شاہ تہماسپ کے دربار سے منسلک تھے۔ ہم کو اس طرح کی کوئی صراحت کہیں نہیں ملی، اس لیے ہم اس موضوع سے صرف نظر کرتے ہیں۔

ابو المعالی شہاب الدین النجفی نے ابو الفتح حسینی کی تصانیف کی جو فہرست اپنے مقدمہ میں درج کی ہے وہ یہ ہے۔ ۱۔ تفسیر شاہی ۲- علامہ آیت اللہ حلّی کی کتاب ''العقاید والمعارف'' کے گیارہویں باب کی شرح ۳- ''شبہۂ مجہول مطلق'' کی تحقیق پر رسالہ ۴- قطب الدین محمد رازی کی منطق پر کتاب ''شرح المطالع'' پر حاشیہ ۵- علامہ تفتازانی کی کتاب ''تہذیب المنطق'' پر محقق دوّانی کے حاشیہ پر حاشیہ ۶- علامہ فاضل المقداد سیوری الحلّی کی کتاب ''کنز العرفان'' پر حاشیہ ۷- اپنے دادا شریف جرجانی کے رسالہ ''الکبریٰ فی المنطق'' پر حاشیہ ۸- گیارہویں باب پر ایک عربی شرح (؟) ۹- اصولِ فقہ پر ایک رسالہ ۱۰- قاضی عضد الدین ایجی کے رسالہ ''آداب البحث

والمناظرہ'' کی شرح مصنفہ مولانا حسام الدین پر حاشیہ ۱۱-علامہ سعید شہید ثانی ۲ کی ''شرح اللمعہ'' پر حاشیہ ۱۲-سلاطین صفویہ پر ایک کتاب (مقدمہ نگار نے نہ تو اس کا نام تحریر کیا ہے نہ یہ بتلا دیا ہے کہ یہ تاریخ کس زبان میں لکھی گئی ہے) ۱۳-قطبی کی ''شرح شمسیہ'' پر ''حاشیۂ شریفہ'' ہے اُس پر حاشیۂ جلالیہ ہے اُس (حاشیۂ جلالیہ) پر ابوالفتح الحسینی کا حاشیہ ہے ۱۴-''شرح تجرید'' کی افعل التفصیل پر حاشیہ ۱۵-علامہ قوشجی کی ''تجرید'' کی شرح جدید پر حاشیہ ۱۶-''معنی الاقوال الشارحہ'' کی تحقیق میں رسالہ ۱۷-''شرح المطالع'' کی مجہول المطلق کی خاص بحث پر حاشیہ ۱۸-مولیٰ علی قوشجی کے رسالہ ''تقدیم مسندالیہ'' پر حاشیہ۔

اس فہرست کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابوالفتح الحسینی نے اپنی عمرِعزیز کا بیش تر وقت لکھنے پڑھنے میں صرف کیا۔ افسوس اِس بات کا ہے کہ انھوں نے طبع زاد کتابیں لکھنے پر حاشیہ نویسی کو ترجیح دی۔ صرف یہی نہیں، بلکہ حاشیوں پر حاشیے لکھ کر انھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کا کوئی اچھا استعمال نہیں کیا ہے۔

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے، شاہ اسماعیل صفوی نے ۹۰۷ھ/۱۵۰۲ء میں ایران کے تاج و تخت پر قبضہ کیا اور تقریباً تئیس برس تک حکم رانی کرنے کے بعد ۹۳۰ھ/۱۵۲۴ء میں اِس دارِ فانی سے رخصت ہوا۔ تختِ شاہی پر بیٹھتے ہی شاہ اسماعیل صفوی نے شیعیت کو اس لیے ایران کا سرکاری مذہب قرار دیا کہ اس کے تمام کے تمام مددگار ترکمن قبایل، مثلاً شاملو، روملو، تکلو، استاجلو، افشار وغیرہ شیعی مذہب کے پیرو تھے اور ان ہی قبیلوں کے افراد کی عسکری مدد سے وہ تختِ حکومت تک پہنچا تھا۔ یوں تو ایران میں شاہ اسماعیل صفوی سے پہلے بھی شیعی مذہب کے ماننے والے موجود تھے، مگر ان کی تعداد قلیل تھی۔ اسی قلت کی وجہ سے فارسی زبان میں اُن مذہبی بالخصوص فقہی کتابوں کی تصنیف و تالیف پر کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی جو شیعی نقطۂ نظر کی ترجمان ہوتیں۔ جو کچھ سرمایہ تھا وہ عربی زبان میں تھا۔ شیعہ علما اور مجتہدین اُن سے استفادہ کرتے اور عوام کے لیے اُن ہی عربی کتابوں کی روشنی میں فتوے دیتے، لیکن جب ایران کی غالب اکثریت نے شیعی مذہب اختیار کر لیا تو اس بات

کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اب شیعی نقطۂ نظر کی حامل فقہی اور کلامی کتابیں فارسی زبان میں بھی لکھی جائیں، تا کہ عوام کا فارسی خواں طبقہ اُن کتابوں سے رجوع کر کے حلال و حرام اور خوب و ناخوب کی تفریق کر سکے۔ اپنی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے شاہ اسماعیل صفوی ایرانی علوم کی اس ضرورت کی طرف توجہ نہ کر سکا، شاہ اسماعیل کے انتقال کے بعد اس کا تقریباً گیارہ سالہ بیٹا شاہ تہماسپ صفوی اس کے تاج و تخت کا مالک بنا۔ شاہ تہماسپ صفوی کا عہد حکومت (۹۳۰ھ/ ۱۵۲۴ء-۹۸۴ھ/ ۱۵۷۶ء) بھی اگر چہ جنگ و جدال کا عہد تھا تاہم وہ اس بات میں کامیاب ہو سکا کہ اِس کا باپ جن مذہبی اور علمی کاموں کی طرف توجہ نہ دے سکا تھا وہ شخصی طور پر توجہ دے۔ اس کا نتیجہ تھا کہ اس کے عہد حکومت میں بعض ایسی کتابیں تحریر کی گئیں جن کا اثر صدیوں تک باقی رہا۔

شاہ تہماسپ اگر ایک طرف ظالم، خوں خوار اور قطع رحمی کرنے والا بادشاہ تھا تو دوسری طرف غلو کی حد تک مذہبی شخص تھا۔ جب طہارت کی جھک اس پر سوار ہوتی تو دن دن بھر غسل خانہ میں مصروفِ طہارت رہتا اور ناخون تراشا کرتا۸۔ اس کے مذہبی غلو کے عجیب عجیب قصے بعض کتابوں میں درج ملتے ہیں، لیکن چونکہ ان کا ہمارے موضوع سے کوئی تعلق نہیں ہے اِس لیے ہم ان سے صرف نظر کرتے ہیں، البتہ یہ بات ضرور لکھ دینے کی ہے کہ جب شاہ تہماسپ کی عمر بیس برس کی ہوئی تھی اُس وقت اُس نے اپنے ایک خواب۹ کی بنا پر شراب خوری وغیرہ سے توبہ کی اور ایران کے تمام شراب خانے اور افیون خانے بند کروا دیے تھے جو اس کے پورے عہد حکومت یعنی نصف صدی سے کچھ زاید عرصے تک پھر نہ کھل سکے تھے۔ شاہ تہماسپ کے انتقال کے بارہ برس بعد جب شاہ عباس صفوی تخت و تاج کا مالک بنا تو پھر ان ''خانوں'' کی از سر نو گرم بازاری ہوئی۔ شاہ تہماسپ کی شخصیت کی ایک خاص قابلِ ذکر بات یہ بھی ہے کہ اس کو گدھے کی سواری بہت پسند تھی۔ اس کے عہد حکومت میں مصر سے اعلیٰ سے اعلیٰ نسل کے گدھے لائے جاتے جن پر ایرانی نجباء اور شرفاء سواری کرنا فخر سمجھتے۔ شاہ تہماسپ کی 'خر پسندی' اِس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ ایرانی عوام نے اس کا نام ہی 'خر سوار' رکھ دیا تھا۔ گیارہ سال کی عمر میں

تخت نشین ہونے کی وجہ سے شاہ تہماسپ کی تعلیم مکمل نہ ہو سکی تھی اور وہ عربی زبان سے تقریباً نابلد تھا۔ اِس وجہ سے اس قابل نہیں تھا کہ عربی 'آیات الاحکام' کا براہِ راست مطالعہ کر کے مسایل کو سمجھ سکے اور فقہ جعفری کے مطابق اُن پر عمل کر سکے، اِس لیے اس نے ابو الفتح الحسینی کو حکم دیا کہ وہ ایسی فارسی زبان میں آیات الاحکام کی تشریح و توضیح کر دیں کہ خواص و عوام دونوں مسائل کو سمجھ سکیں اور فقہ جعفری کی رو سے جو عمل جس طرح افضل واعلیٰ ہو اس کو اُسی طرح انجام دیں۔

اندازہ ہے کہ ابو الفتح الحسینی کی تحریر کی ہوئی فارسی آیات الاحکام، جس کا نام خود انھوں نے تفسیر شاہی رکھا ہے، دسویں صدی ہجری کے وسط میں لکھی گئی ہوگی۔ فارسی مخطوطات کی فہرستیں دیکھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کے کچھ زیادہ نسخے کتاب خانوں میں محفوظ نہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اپنی نوعیت کی اولین تفسیر ہونے کے باوجود عوام میں غالباً متداول نہیں ہو سکی تھی، شاید یہی وجہ ہو کہ اِس کے مخطوطے کم ہی دست یاب ہوتے ہیں۔ دسویں صدی ہجری سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک یہ تفسیر غیر مطبوعہ ہی رہی۔ چودھویں صدی ہجری کے آٹھویں دہے یعنی ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء میں میرزا ولی اللہ الاشراقی نے اس تفسیر کو دو جلدوں میں مرتب کر کے تبریز سے شایع کیا۔ میرزا ولی اللہ الاشراقی نے اس کو مرتب کرنے میں غیر معمولی محنت اور دقّت نظری کا ثبوت دیا ہے، انھوں نے ابو الفتح الحسینی کی عبارتوں کی توضیح، تشریح اور تعبیر کرنے کے لیے تقریباً اتنے ہی صفحات کے حواشی تحریر کیے ہیں جتنے صفحات کی اصل تفسیر ہے۔ ولی اللہ الاشراقی نے اپنی کاوش کا نام 'توضیح آیات الاحکام' رکھا ہے۔ اگر ان کی 'توضیح آیات الاحکام' الگ سے ایک یا دو جلدوں میں شایع کی جاتی تو دونوں کتابوں یعنی 'تفسیر شاہی' اور 'توضیح آیات الاحکام' کو سمجھنا اور ان کا ناقدانہ مطالعہ آسان ہو گیا ہوتا، کتاب کی موجودہ صورت ایک طرح سے دونوں کتابوں کے مطالعہ کو خوابِ پریشاں بنا کر رکھ دیتی ہے۔

حواشی ومراجع

☆ اس تفسیر کے تفصیلی تعارف کے لیے ملاحظہ کیجیے تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ، اپریل-جون ۲۰۰۵،ص ۳۱-۵۵ و جولائی -ستمبر ۲۰۰۵،ص ۳۵-۵۳

۱ اس عہد کے سیاسی ، سماجی اور مذہبی حالات کے مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ ادبیات درایران، جلد ۵، بخش یکم، چاپ دوم، ۱۳۶۳ھ ش، تہران، ص ۷ ببعد۔

۲ ''مسلمین'' اور ''مومنین'' کا باریک سا فرق ملحوظ خاطر رہے۔

۳ یہاں ایک لفظ شایع ہونے سے رہ گیا ہے ہوسکتا ہے ''ناصبین'' ہو ''مومنین'' کا برعکس لفظ ''ناصبین'' ہی ہوسکتا ہے۔

۴ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا کی کتاب ''تاریخ ادبیات درایران'' میں غلطی سے شاہ تہماسپ کا سال وفات ۹۸۴ھ شایع ہوگیا ہے رک، جلد پنجم، بخش یکم، ص ۱۱، ۱۳۶۳ھ ش تہران۔

۵ یہ احمد جامی شیخ الاسلام احمد جامی نہیں ہوسکتے، کیوں کہ ان کا انتقال ۵۳۶ھ میں ہوچکا تھا۔

۶ ''شہید ثانی'' کا پورا نام زین الدین بن علی بن احمد بن محمد بن جمال الدین بن تقی الدین بن صالح تھا (متولد ۹۱۱ھ مقتول ۹۶۵ھ)

۷ اللمعہ کا پورا نام ''لمعۂ دمشقیہ ہے۔ یہ کتاب 'شہید اول' محمد بن مکی بن حامد بن احمد دمشقی نبطی عاملی جزینی ملقب بہ شمس الدین (م ۷۸۶ھ) کی تصنیف ہے۔

۸ تاریخ ادبیات فارسی در ایران، جلد پنجم، بخش اول، چاپ دوم، ۱۳۶۳ھ ش، ص ۱۳-۱۴

۹ فرہنگ فارسی، محمد معین، جلد ۵، چاپ دوم، ۲۵۳۶، تہران ص ۱۱۰۴